راستی موجب رضائے خداست
لکھنؤ سے ہر جمعہ کو نکلتا ہے
کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

سچ

قیمت سالانہ سے ۴ر
بیرون ہند سے ۸ شلنگ
قیمت ششماہی عہ ۱۲ر
فی پرچہ ۲ ار

نمبر ۲۶ | ۳۰ ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۴ھ | ۱۲ جولائی سنہ ۱۹۲۶ء | جلد ۲

سچی باتیں

امام حسین رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اگر آپ زندہ ہوتے، اور کربلا کا واقعہ آپ کے سامنے پیش آیا ہوتا، تو آپ اُس وقت کیا کرتے؟ آیا آپ امامؑ کی فوج میں بھرتی ہو جاتے، حق پرستی کا جھنڈا ہاتھ میں لے لیتے، اپنا نام اللہ کے سپاہیوں میں لکھا لیتے، ظالم حکومت کے مقابلہ میں جان دینے پر آمادہ ہو جاتے، فاسق حکمراں کی اطاعت سے انکار کرکے ہر سزا، اور ہر عذاب کے برداشت کرنے پر مستعد ہو جاتے، راہِ حق میں شہادت کی طلب اور تڑپ آپ کو بیقرار کر دیتی؟ یا اسکے برعکس آپ یہ کہنے لگتے، کہ میدانِ شہادت سے دُور اپنے عزیزوں اور ہموطنوں کے درمیان آرام و عیش سے رہ کر مزیدار حلوے پکاتے، بانس کی کھپاچوں کو خوشنما اور چمکدار کاغذوں سے آراستہ کرتے، لذیذ سے لذیذ شربت پیتے پلاتے، اپنے اپنے مقام پر میلہ لگاتے، اس میں کھانے پینے کی دکانیں لگاتے، اور دن رات سارا وقت باجہ بجانے اور سوز خوانی کا کمال دکھانے میں صرف کرتے؟ اگر خدا نخواستہ یہ آخری شق آپ امام کے سامنے اختیار کرتے، تو اللہ کو حاضر و ناظر جان کر، خود اپنے ہی دل سے یہ پوچھیے، کہ شہیدوں کا وہ سرتاج آپ کی بابت کیا رائے قائم کرتا؟

پھر یہ کیا ہے، کہ آج امام حسینؓ کا نام لے لے کر، انھیں کی محبت کا دعویٰ کرکے، یہ سب کچھ اس سے بہت زیادہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے، اور آپ کے دل کو ذرا بھی جنبش نہیں ہوتی! کیا اس لیے، کہ آج حسینؓ زندہ نہیں ہیں؟ کیا اس لیے، کہ آپ کے عقیدہ میں حسینؓ ہر فانی انسان کی طرح مردہ ہو چکے ہیں؟ کیا آپ کا عقیدہ یہ ہے، کہ وہ بڑا اور سچا شہید آج اسی طرح مردہ و معدوم ہے، جیسے ہر مٹی کا پتلا ہو جایا کرتا ہے؟ اگر آپ کا یہ خیال ہے تو بے شبہ آپ ایک مردہ کی یادگار میں تعزیہ، علم، براق، تابوت، کی مردہ یادگاریں قائم کرنے میں حق بجانب ہو سکتے ہیں، لیکن اگر اس کے برعکس آپ کا ایمان سچی کتاب کے ان سچے وعدوں پر ہے، کہ جو لوگ خدا کی راہ میں اپنی گردنیں کٹا دیتے ہیں، وہ کبھی مردہ نہیں ہوتے، اُن پر کبھی موت طاری نہیں ہوتی، وہ زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں، وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں، وہ "حی و قیوم" کے دامنِ رحمت میں جگہ پاکر خود بھی حیاتِ ابدی کے مصداق ہو جاتے ہیں، تو اس عقیدہ کے ساتھ آپ اس بڑے شہید، شہیدوں کے اس امام کو کیونکر مردہ تصور کر سکتے ہیں؟ وہ یقیناً زندہ ہے، اور ایسی لطیف و تند، پاک و پاکیزہ زندگی کا مالک ہے، جس کا پورا اندازہ بھی ہماری ناقص عقلیں اور ہمارے دماغ نہیں کر سکتے۔

حسینؓ آج بھی زندہ ہیں۔ حسینؓ کی صدائے حق آج بھی بدستور گونج رہی ہے ——— حسینؓ آج بھی یزیدی اور طاغوتی قوتوں کے مقابلہ کیلیے آپ کو دعوت دے رہے ہیں، حسینؓ آج بھی میدانِ شہادت میں پیشقدمی کرنے کے لیے آپ کو طلب کر رہے ہیں، حسینؓ آج بھی فاسق حکومت کے مقابلہ میں اعلانِ آزادی کے لیے اہلِ ایمان کی فوجیں بھرتی کر رہے ہیں، حسینؓ کو آپ کے حلوے اور ملیدہ، ڈھول اور تاشہ کی قطعاً ضرورت نہیں، یہ سامان اس ذاتِ گرامی، اس ہستیٔ اقدس کے سامنے پیش کرنا،

اڈیٹر - عبدالماجد -

اُس ذاتِ مبارک کے ساتھ گستاخی کرتا ہے۔ حسینؑ کو آج ضرورت ہے، آپ کے دل کی، آپ کے ایمان کی، آپ کے تقوے کی، آپ کے صبر کی، آپ کی استقامت کی، آپ کی حق پرستی کی، آپ کے جذبۂ آزادی، آپ کے عزم و ہمت کی، آپ کے ولولۂ باطل شکنی کی، اور آپ کے ذوقِ شہادت کی۔ ہے کوئی، جو اس زندہ حسینؑ کی آواز پر لبیک کہے؟ ہے کوئی، جو یزیدی اور طاغوتی طاقتوں سے مقابلہ و جہاد کے لیے، زندہ حسینؑ کی فوجوں میں بھرتی ہو کر، اپنی ابدی زندگی کا حق پیدا کرے؟ "م"

"انداز گفتگو کیا ہے؟"

آخر جون میں پارلیمنٹ کے اجلاس میں، کوئلے کی کانوں کے متعلق مسودۂ قانون، دوسری خواندگی کے لیے پیش ہوتا ہے۔ دوران بحث میں وزیر اعظم مسٹر بالڈون کی دیانت پر پُر زور حملے کیے جاتے ہیں۔ جواب دینے کے لیے گورنمنٹ کی جانب سے مسٹر چیمبرلین کھڑے ہوتے ہیں، اس پر حلقۂ مخالفین میں ایک شور برپا ہوتا ہے، کہ وزیر اعظم کو خود اپنی صفائی پیش کرنی چاہیے۔ صدر مجلس (اسپیکر) بار بار جلسہ میں امن و سکون قائم رکھنے کی اپیلیں کرتے ہیں، مگر سب بے سود رہتی ہیں! بالآخر وزیر اعظم تقریر فرماتے ہیں، انکی تقریر کے دوران میں بھی طرح طرح کے فقرے چست کیے جاتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد کرنل لین فاکس تقریر کرتے ہیں، اور انکے ایک فقرہ پر جلسہ میں اس قدر ہڑبونگ مچ جاتا ہے کہ صدر صاحب کسی طرح نظم جلسہ قائم رکھنے پر قدرت نہیں پاتے، اس حالت میں ایک لیبر ممبر مسٹر ویسٹ وڈ کھڑے ہوتے ہیں اور کرنل صاحب کو للکار کر کہتے ہیں "اے وہ بزدل کمینے!" اس پر کنسرویٹو جماعت میں "اسے نکالو، اسے نکالو" کا ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے، مگر اس کے جواب میں پھر اسی ممبر پارلیمنٹ کی آواز سنائی دیتی ہے، "کہ میں ابھی اپنا جوتا اتارتا ہوں، اور تمہارے رسید کرتا ہوں" اس کے بعد جلسہ میں جیسا کچھ ہڑبونگ مچا ہوگا اُسکا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

یہی وہ پارلیمنٹ ہے، جسکے وقار و سنجیدگی، جسکی آئینیت و متانت کا نمونہ جاہل و نیم وحشی اہل ہند کے سامنے پیش کیا جاتا ہے؟ یہی وہ مہذب و شستہ، شیریں و شائستہ انداز گفتگو ہے، جسکے اختیار کرنے کی ہم ہندیوں کو ہدایت کی جاتی ہے؟ "م"

آسمان پر حملہ کی تیاریاں

ڈیلی نیوز (لندن) نے خبر دی ہے، کہ امریکہ نے پانچ انچی دہانہ کی وہ آسمان شگاف توپیں تیار کر لی ہیں، جنکی گولہ باری بڑے سے بڑے قوت ہوائی جہازوں کو چند منٹ میں گرا دیگی۔ بارہ ہزار فٹ کی بلندیوں پر ساٹھ میل فی گھنٹہ کے حساب سے ان کی گولہ باری کا اب تک تجربہ ہو چکا ہے، اور آئندہ اور ترقیوں کی امید ہے۔ گولوں کا وزن ۲۵ سیر کا ہوگا، ہر گولہ نشانہ پر پہونچ کر طیاروں کی کرچی کرچی کر دیگا، ہی سے رکھ کر اڑنے کے ساتھ پھٹے گا۔ جنگ عظیم کے آخر وقت تک ایک طیارہ کو گرا دینے کے لیے ڈیڑھ ہزار گولوں کی ضرورت ہوا کرتی تھی، اب اس جدید ایجاد سے دو گولے اس غرض کے لیے بالکل کافی ہوں گے، بغیر دھوئیں کے آتش افشانی اور گولہ باری اور بغیر آگ کی چمک اور بغیر اڑنے کی آواز کے محض دھوئیں (گیس) کے ذریعہ سے ہلاک کر دینے کی ایجادیں عرصہ ہوا ہو چکی تھیں، اس جدید ایجاد نے زمین سے گذر کر آسمان تک پر حملہ کو آسان بنا دیا۔ مادی قوتوں کے پرستاروں کو یہ ترقی مبارک ہو۔

کلام مجید میں ایک آیت آئی ہے، جس میں مخلوقات کے دو سرکش اور نافرمان گروہوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے:

یرسل علیکما شواظ من نار و نحاس فلا تنتصران (رحمٰن، ع ۲)	ہم چھوڑیں گے تم پر آگ کے شعلے اور دھواں، پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے (یعنی اپنے تئیں نہ بچا سکو گے)

"شواظ" اور "نحاس" کے بارے میں اہل تفسیر کے مختلف قول ہیں، لیکن ابن جریر نے کلام عرب کی مدد سے شواظ کے معنی ایسی آگ کے قرار دیے ہیں جس میں دھوئیں کی آمیزش نہ ہو (هو النار المحضة التی لا یخلطها دخان) اور نحاس کے معنی محض دھوئیں کے بتائے ہیں۔ اور کہا ہے، کہ جب آگ اور دھوئیں کا عذاب نازل ہوگا، تو اس سے کوئی مفر نہ ہو سکے گا۔ آخرت میں جب یہ عذاب ہوگا، اسکا ذکر نہیں۔ اسی دنیا میں اس عذاب کے جو نمونے گذشتہ جنگ میں پیش آ چکے ہیں، اور آئندہ جنگ میں اس سے کہیں زیادہ پیش آنے والے ہیں، کیا عاقل و زیرک، ہشیار و فرزانہ انسان انکے بھی روکنے کی قدرت نہیں رکھتا؟ وہ آسمان پر حملہ کی تیاریوں کی دھن میں ہے، لیکن "آسمان" کے "حملہ" کی جانب سے اس پر کیوں ایسی غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں؟ "م"

دل کی کھٹک

سر آرتھر کیتھ لین، اس وقت برطانیہ کے ایک نامور ڈاکٹر اور سرجن ہیں، چند مہینے ہوئے، آپ نے لندن کلینکل سوسائٹی کے سامنے ایک مضمون اس عنوان پر پڑھا تھا، کہ "آیا تمدن ناکام رہا ہے؟" اس لکچر کا جو خلاصہ، لندن ڈیلی میل کی وساطت سے ہندوستان تک پہونچا ہے، حسب ذیل ہے:-

وہ قومیں، جو ہزاروں لاکھوں سال سے خوش و خرم اور مضبوط زندگی بسر کرتی آئی ہیں، مگر جب سے یورپی قوموں سے انہیں سابقہ پڑا ہے، مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہیں۔ انکی حالت پر جب کبھی نظر پڑتی ہے، تو سوال مسئلہ بعنوان ہمیشہ ذہن کے سامنے آ جاتا ہے۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے، کہ جس کسی دیسی قوم پر پہلے ہمارے بحری تاجروں، اور ہمارے پادریوں کا سایہ پڑا ہے، اس میں سے کسی قوم کو ہم نے خفیف ترین مادی فائدہ بھی پہونچایا ہے؟ (اسکے برعکس) ہمارے بحری تاجروں نے تو وہاں پہونچ کر شراب خوری اور بیماریوں کی افراط جاری کی ہے، اور پادریوں نے پہونچ کر انکی عادتوں کو اسقدر بدل دیا ہے، اور انکو ایسی اخلاقی تعلیم دی ہے جسکا انجام بجز انکی تباہی و بربادی ہی پر ہوا ہے۔

جو قومیں ہمیشہ سے اچھی خاصی طرح گذر بسر کرتی چلی آ رہی ہیں، آخر کیوں ہم اپنے طور و طریق کو ان پر ٹھونستے ہیں، اور یہ کیوں فرض کر لیتے ہیں، کہ ہمارے عقیدے، اور ہمارے دستور انکے عقیدے اور انکے دستور سے بڑھ کر انکے حق میں بہتر ہونگے! ویسی قومیں، اپنی حالت پر اگر چھوڑ دی جائیں، اور وہ اپنی عادتوں

اور فداؤں پر قائم رہیں، تو جسمی اور مادی حیثیت سے [illegible] ترکوں سے کہیں بہتر ثابت ہونگی۔ انکے مرد، جنگ و شکار میں منضبط و مستعد نکلیں گے، اور انکی عورتیں، تمام نسوانی فرائض کو پوری طرح انجام دینے والی، اور تندرست و مضبوط بچوں کی مائیں ثابت ہوں گی۔"

سارا لہجہ اسی لب و لہجہ میں ہے۔ فرنگی تمدن کی برکتیں اور خوبیاں، دانایان فرنگ، اور انکے دیسی شاگردان رشید نے اس کثرت سے بار بار بیان کی ہیں، کہ ہمارے دماغوں میں "دانائی" اور "فرنگیت" کا تصور ایک دوسرے سے جدا ہی نہیں ہوتا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے، کہ داناؤں کی اس جماعت میں بھی کچھ نادان ایسے موجود ہیں، جن کے دل کی کھٹک اب تک نہیں مٹی ہے، اور جو اب بھی کبھی کبھی اپنے سے سوال کرنے لگتے ہیں، کہ آخر انکے قدم کس راہ پر پڑ رہے ہیں؟

"م"

تقدیر کی خوبی

شریف حسین کے زمانہ میں حجاز کی پاک سرزمین جن ناپاکیوں اور گندگیوں سے آلودہ ہو چلی تھی، انکے لحاظ سے سلطان ابن سعود کا ظہور اکثر اسلامی حلقوں میں ایک آیۂ رحمت سمجھا گیا، اور سلطان کی تقریروں اور اعلانات نے تقریباً ہر معقول پسند کے دل میں امید قائم کر دی، کہ سلطان کا دور حکومت گویا خلافت راشدہ کا ایک ناقص چربہ ہوگا۔ بات بات پر کتاب و سنت کا حوالہ، قدم قدم پر پابندی شریعت کے وعدے، اپنی تحریروں اور تقریروں میں اسکے پیہم اعلان کہ میں حجاز پر فرمانروائی نہیں چاہتا، بلکہ حجاز کو آزاد کرانا چاہتا ہوں۔ ان تصریحات کے بعد کسی مسلمان کو سلطان سے بدگمان رہنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ لیکن اب ادھر چند ماہ سے جو اطلاعیں سلطان کے طرز عمل سے متعلق موصول ہو رہی ہیں، یہی نہیں، کہ وہ سلطان کے صریح وعدوں کی خلاف ورزی بتا رہی ہیں، بلکہ سلطان کو ایسے رنگ میں پیش کر رہی ہیں، جس کی توقع ہرگز کسی خادم حرمین سے نہیں کی جا سکتی تھی۔ یہ خبریں اس قدر متعدد اور معتبر ذرائع سے آ رہی ہیں، کہ ان میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں باقی رہتی۔ ارض حجاز، رب کعبہ کی گویا ذاتی جاگیر کے طور پر ہے، اس پر "حکومت" کسی انسان کی جائز ہی نہیں، صرف اسکی "خدمت" و "تولیت" کی سعادت کی کوشش ہر مسلمان کر سکتا ہے۔ توقع تھی، کہ موتمر اسلامی میں اس مسئلہ پر آزادی و تفصیل سے بحث ہوگی، لیکن اسکی جس قدر کارروائی اب تک ہندوستان پہونچی ہے (خصوصاً دکن کے روزنامہ "رہبر دکن" کے خاص وقائع نگار کے قلم سے) اسے پڑھ کر دل کو سخت دکھ پہونچتا ہے۔ اور معلوم ایسا ہوتا ہے، کہ سلطان کے ذہن میں خدمت دین و پابندی شریعت کے معنی صرف یہ ہیں، کہ ساری قوت ایک مخصوص و مختصر فرقہ (اہل حدیث یا حنبلیہ) کے مخصوص عقائد کے نافذ کرنے میں صرف کر دی جائے اور یہ عقائد بجائے خود کہاں تک درست ہیں، یہ سوال نہیں، سوال صرف یہ ہے، کہ ایک مخصوص فرقہ کو اپنے مخصوص فرقہ وارانہ عقائد بجبر نافذ کرنے کا حق، اس مقام میں، جو ہر اسلامی فرقہ کے لیے یکساں تقدس رکھتا ہے، جیسے [illegible] ہر کلمہ گو کے لیے یکساں رکھے ہوئے ہیں، کہاں حاصل ہے؟ یہ وقت امت اسلامیہ کے بکھرے ہوئے اجزاء کو سمیٹنے اور یکجا کرنے کا ہے، یا بعض جزئیات میں حد سے زیادہ غلو کر کے ان اجزاء کو دنیا بکھیرنے اور منتشر کرنے کا؟ یہ وقت اسلام پر جانیں قربان کرنے کا ہے، یا "حنفیت" و "وہابیت" "حنبلیت" و "صوفیت" "تقلید" و "عدم تقلید" پر سارا زور صرف کر دینے کا؟ اہل نجد کے نزدیک مسلمانان ہند کے بہت سے رسم و رواج "مشرکانہ" سہی، لیکن بہرحال امت محمدیہ کے اندر رہ کر مشرکانہ افعال صادر کرنے والا گنہگار مسلمان، اس "غیر مسلم" کے مقابلہ میں تو یقیناً بہتر ہے، جو سرے سے آپ کے کلمہ اور آپ کے کعبہ، آپ کے رسول، اور آپ کے قرآن کا منکر ہے۔ کاش خدائے برتر و بے نیاز اب بھی سلطان ابن سعود کو صحیح بصیرت عطا کرے، اور یہ سمجھنے کی توفیق دے، کہ جزئیات و مخصوصات حنبلیت یا وہابیت میں غلو کرنا اس وقت تمام اسلامی مصالح کے ساتھ دشمنی کرنا ہے

"م"

"محرم اور تعزیہ داری"

اس عنوان سے ایک جدید رسالہ دفتر سچ سے ابھی شائع ہوا ہے۔ ایک صاحب نے اس وقت کے تقریباً تمام مستند علماء سے محرم کے مراسم مروجہ سے استفتاء کیا تھا، انکے جتنے جوابات موصول ہوئے، وہ مع چند اکابر متقدمین کے فتاوی کے اضافہ کے اس میں یکجا کر دیے گئے ہیں۔ شروع میں ایڈیٹر سچ کے قلم سے دیباچہ ہے۔ اہل سنت کے ہاں یہ کوئی اختلافی و نزاعی مسئلہ نہیں، اسی لیے حضرت شیخ جیلانیؒ اور امام غزالیؒ سے لیکر اس وقت تک کے علماء دہلی، بریلی، بدایوں، فرنگی محل، ندوہ، دیوبند، بھوپال، حیدرآباد وغیرہ سب کی تحریریں اس باب میں متحد نظر آئیں گی۔

(بقیہ صفحہ ۲)

محض لوگوں کے دکھانے کے لیے یا فویل للمصلین الذین ہم عن صلوتہم ساہون کے مصداق ہو تو مجبوری ہے۔ مگر اس حالت میں نماز نہیں نقل نماز ہوگی۔ ایک نکتہ یہ بھی ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ ایسی عبادت جو بے امداد موسیقی کیجائے خالص قوت ارادی کی سلامتی و صحت اور حسن نیت کے ماتحت ہوگی۔ اور وہ قوت ارادی کی یہ خوبی بھی نتیجہ ہے اسی اصلاح و تزکیہ نفس کا جو مقصد اصلی عبادات مثل نماز ہے۔ غذا زبان کو چاشنی کی لذت دینے کے لیے نہیں ہے "خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است"۔ دوا اس لیے پیاری نہیں ہوتی اور نہ ہونا چاہیے کہ اسکی مٹھاس سے ذائقہ کو لطف آئے۔ دوا اپنے فائدوں کے لحاظ سے [illegible] عزیز ہے، اسکے واسطے خریدار ہونے کی شرط یہ نہیں کہ دوا کی شیرینی اسکے فوائد میں اضافہ کرتی ہے۔ اسی طرح عبادت محض عبادت کے لیے ہونا چاہیے۔ کسی دوسری شے سے حظ لذت و خوشی کے لیے نہیں۔ اور یہ وہ نازک فرق ہے کہ جس نے دوسری اسی شے کا جیسے موسیقی ہے شمول، اس لیے بھی مناسب نہیں ہے کہ اگر طبیعت اسکی طرف راغب ہوئی تو خلوص نیت جاتا رہا۔

نماز اللہ کے لیے دل کی طلب پر ہونا چاہیے اور جب اسکا تعلق اللہ تعالی سے ہے تو کسی دوسرے کے شرکت کے کیا معنی۔ چاہے وہ سلسلۂ اعانت ہی کیوں نہ ہو۔

نماز کی لذت

(از مولوی نجم احسن صاحب گرامی)

دنیا کا ہر مذہب اپنے طریقہ پر خداوند تعالیٰ کی یاد اور اس طرح اُس تک پہنچنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر ہم ہندو اور عیسائی عبادت کے طریقوں کو دیکھتے ہیں تو اُن میں موسیقی جزو لاینفک ہے۔ برخلاف اس کے اسلام کو دیکھیے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرضی الٰہی نے خاص طور موسیقی سے گریز و احتراز لازم فرما دیا ہے۔ بلکہ اس میں یہاں تک اہتمام منظور تھا کہ بجائے ناقوس اور گھنٹے کے 'اذان' کا طریقہ اعلان پسند فرمایا۔ غور کرنا چاہیے کہ اس کے اندر کیا حکمت ہے؟ نماز سے قطع نظر طریقۂ اعلان میں بھی موسیقی سے بے تعلقی محض امر اتفاقی ہے یا کسی خاص مرضی الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ سوچنے سے یہ بات اچھی طرح دل پر روشن ہو جاتی ہے کہ نماز اور اُس کے متعلق تمام امور میں موسیقی کے شمول سے اگر نہ بچایا گیا ہوتا تو ایک حد تک مقصد نماز اس معیار پر نہ حاصل ہوتا جس پر اب ہوتا ہے۔

عبادت کا منشا محض 'دعا' اور 'مدعا طلبی' نہیں ہے۔ کیونکہ محض ان اغراض کے لیے نہ قلب اور بدن و لباس کی طہارت ضروری ہے اور نہ خشوع و خضوع لازمی ہیں۔ جہاں تک محض دعا اور مدعا طلبی کا تعلق ہے یہ نتیجہ ہیں ایک اضطراری کیفیت کا۔ چاہے وہ اضطرار اختیاری کیوں نہ ہو اور حالت اضطرار میں اہتمام اور تیاری اگر از کم بدرجہ اتم ناممکن ہے۔

اگر کہا جائے کہ عبادت سے مقصود خالص یاد الٰہی ہے جس کے اثرات بھی اُسی وقت تک محدود ہیں جب تک یاد کی جائے۔ اور اعمال و افعال سے متعلق نہیں ہیں تب بھی ماننا پڑے گا کہ ہر وہ طریقہ عبادت جو ضرورت پوری کر دیتا ہے جس میں کسی طور سے قلب پر ایک کیفیت (جو شعوری یا ہو سکتی ہے اور نہ جس کا دیرپا ہونا مقصود ہے) طاری ہو جائے۔ اور یہ کیفیت کسی خارجی اثر کا نتیجہ اور اس کے ماتحت ہو۔ اس میں شک نہیں کہ ایسا کوئی مذہب نہیں ہے جو برائی سے بچنے اور نیکیوں کی طرف بڑھنے کی تعلیم نہ دیتا ہو۔ اعمال حسنہ کی ضرورت بھی کم و بیش سب میں مسلم ہے۔

اب یہ سب مان لینے کے بعد ہم یہ کیوں کہتے ہیں کہ ہماری نماز یعنی وہ ہمارے لیے موزوں ترین طریقۂ عبادت جو رب کے آگے (روحی فداہ) نے خاص ہدایت الٰہی کے مطابق ہمیں بتایا بہترین ہے اور کم از کم ہماری نگاہ میں اپنے اثرات و نتائج میں بے مثل ہے۔

نماز کا مقصد اور حاصل تزکیۂ نفس ہے۔ ظاہر ہے کہ اس لیے نماز کو ہماری عبادت اور بے نیازی کی پروا نہیں ہے۔ نماز ایک مکانی مرض کو یقینی طور پر دور کرنے والی دوا ہے۔ جس طرح ایک حفاظت کرنے والی دوا اجزائے قیمہ کا استعمال کرتی رہتی ہے اسی طرح نماز کا مقصد اس وجہ اصلاح نفس کرتا ہے کہ برے اعمال نہ سرزد ہوں۔

علاوہ ان باتوں کے اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اگر نماز میں ہارمونیم کی گتوں اور ستار کی شیریں صداؤں کا شمول بھی ہوتا تو نماز نماز نہ رہ جاتی صرف ایک دوا رہ جاتی جو بے ہوشی ہوتی۔ موسیقی کی امداد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوا عملی طور پر کوئی اصلاح نہیں ہوتی۔ خواہ روحی احساس سے کوئی مفید کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک مریض کو نیند نہیں آتی اور طبیب نے کوئی خواب آور دوا دیدی۔ یا سستی اور کاہلی دور کرنے کے لیے کوئی زوردار چیز کھلا پلا دی کہ جس سے وقتی طور پر برائے نام فائدہ ہو گیا اور بس۔ اگر آپ کو موسیقی کی اعانت درکار ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ خارجی اثرات کے سبب آپ میں ایک ذرا دیر کے واسطے ایک گونہ ایک استغراق پیدا ہو گیا۔ اور بس بعد کو وہی انگڑائیاں اور جمائیاں ہیں۔ خود اگر اگر نماز کو بھی اسی کی محتاجی ہوتی تو اصل مقصد فوت ہو جاتا۔ کیونکہ یہ ہے کہ وقتی کیفیت بلکہ محض کیفیت کا وقتی خمار پیدا کیا جا سکتا ہے۔ انسان میں جملہ محاسن پیدا کرنے والی باتیں احساس و اظہار عبودیت اور خشیت الٰہی ہیں۔ اور یہ اساسی صفات نماز ہیں۔ اگر استغراق کوئی شے ہے تو نماز بیکار ہے۔ کیونکہ حالت استغراق میں ارکان کا ادا ہونا ناممکن ہے۔ نہیں نہیں نماز بیہوشی نہیں بلکہ سرتاپا ہوش کا کام ہے۔ نماز اول و آخر، ابتدا و انتہا، ہر حال میں یہ یاد دلاتی ہے کہ ؎

بندہ کبھی بندگی نہ بھولے

عبد اس احساس کی شدت، اور الحمدللہ کہ ہر مسلم کے لیے عزیز ترین شدت کے ساتھ اپنے معبود بے نیاز کے حضور میں حاضر ہوتا ہے کہ وہ محض عبد ہے۔ وہ اپنی عبودیت کا اظہار کرتا ہے۔ خشیت الٰہی سے اس کا رواں رواں لرزتا رہتا ہے۔ اس کی 'ناکسی' و 'بے مقداری' اس کے پیش نظر ہوتی ہے۔ وہ اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوتا ہے اور ہر نماز کے بعد قالاً نہیں تو حالاً وہ تائب عمل بننے کی نیت کرتا ہے۔ شب و روز میں پانچ وقت احساس و اظہار عبودیت ہی ترکیب و تعمیر اعمال و اخلاق میں معین ہو سکتا ہے۔ نماز چاہے جتنی عجلت میں اور جس بے دلی کے ساتھ ادا کی جائے، نیت باندھتے ہی 'میں بندہ ہوں' کے احساس کا ہر احساس پر غالب آ جانا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی معبودیت و اپنی معبودیت کا اظہار ہر مخلوق کی طرف سے اس معبودیت کا اعتراف و اعلان بہت پسند ہے اور اس کا سزاوار دوسرا کون ہے ؎ مرا ادا ہمہ ز کبریا و منی۔ ہر جگہ یہ تاکید ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کا اعلان فرماتے رہیں کہ وہ عبد ہیں۔ کلمہ شہادت میں بھی اس کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ سرور دو جہاں کی عبدیت کا اول اور نبوت کا بعد اس کے اعتراف کیا جائے۔

اگر نماز میں موسیقی جیسی (خارجی) شے کی اعانت بھی ضروری ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ عبادت کے لیے طبیعت حاضر نہیں ہے اور احساس کی لطافت کو برانگیختہ کرنے کے لیے فنون لطیفہ کی محتاجی ہے۔ بلکہ دل میں گداز پیدا ہو اور خدا کی طرف رجوع بھی ہو جائے تو وہ نتیجہ جذبۂ عبودیت اور ذوق عبادت کا نہ رہے گا۔

نماز محض اللہ کے لیے اور ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین کو پیش نظر رکھ کر پڑھی جائے تو نتیجہ سلامتی و طمانیت [illegible]

قربانی

فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ

(از مولانا مناظر احسن صاحب، شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ، دکن)

نمبر (۱)

انسان جن بلندیوں میں رہتا ہے وہ بہت بلند ہو رہے تھے لیکن خود انسان پست ہو رہا تھا۔ دوآبہ دجلہ و فرات کے ایک قدیم تاریخی شہر میں یہ حادثہ گزر رہا تھا، امریکہ اور یورپ والوں کی طرح اُنکی عمارتیں اونچی ہو رہی تھیں، ایک منزل پر دوسری منزل کا اضافہ ہو رہا تھا، لیکن انسانیت ایک زینہ سے لڑھک کر دوسرے زینہ پر اور دوسرے سے تیسرے زینہ پر گر رہی تھی۔ حتی کہ آج جس طرح نمونا دیکھئے یا دانوں میں صرف حیوان بسیرا لیتے ہیں، یعنی جو اپنی زندگی کا مقصد کھانے، پہننے، اور مر جانے کے سوا اور کچھ نہیں رکھتے، اسی طرح ...... اور کلدانیہ جو اس دوآبہ کا مرکزی شہر تھا، اُسکے باشندے حیوان ہی نہیں بلکہ حیوانوں کی غلامی اور بندگی کا طوق گلے میں ڈالے ہوئے دم توڑ رہے تھے۔

اللہ واحد مسجود ملائکہ گائے بیل، بلی اور بندر کا ساجد بنا ہوا تھا۔ اور حیوانات تو پھر بھی ذی شعور ہیں۔ ان کی پرستش تو انسانی ذلت پستی کا مستقل درجہ ہے۔ ورنہ اُس کا حال اس وقت تھا، "زمین کا خلیفہ نفخت فیہ من روحی کا پیکر لطیف، امانات الٰہیہ کا تنہا علمبردار، نباتات" بلکہ جمادات جیسی بے شعور ہستیوں کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑا ہوا تھا، عناصر مادی، بے جان ستارے، بے حس آفتاب و ماہتاب کے آگے ماتھا ٹیکے پڑا ہوا تھا۔ عذاب الٰہی کا یہ دہشت انگیز نظارہ تھا کہ یکایک ان ہی میں سے ایک خوبصورت جوان نے ایک نعرہ مارا

انی وجہت وجہی للذی فطر السموات — میں نے اپنا رخ اُس قوت کی طرف
والارض حنیفا وما انا من المشرکین — پھیر دیا جسنے آسمانوں اور زمین کو
(نیستی سے) پھاڑ کر نکالا۔ میں اُسی کی طرف جھکتا ہوں، میرے نزدیک اُسکا کوئی ساجھی نہیں۔

دیوانہ تھا اور کتنا بلند دیوانہ تھا۔ اُسکے ٹکرانے کے لئے مخلوق ہی کے نہیں، بلکہ مخلوق کی مخلوق اور انسانی مصنوعات کے گورکھ دھندوں میں اُلجھے ہوئے تھے۔ وہ خالق ہاتھوں کو نہیں بلکہ فانی ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کے ساتھ اپنے کو ربط دے رہے تھے۔ لیکن ان میں سے کیسا بلند ہمت نوجوان؟ جو جمادات و نباتات کی دلچسپیوں سے علیحدہ ہو کر آفتاب و سیارات کی قہرمانیوں یا مہربانیوں کو ٹھکرا کر مادی کروں کو چیرتا ہوا، مخلوقات کے دائروں کو پھاڑتا ہوا، حتی کہ ملائکہ مقربین سے آنکھیں بچاتا ہوا خدا جانے کس غیبی کشش کی بدولت یکایک وہاں پہنچ گیا جہاں فنا تھا، فکر کو راہ نہیں ملتی تھی، جہاں صرف رب رہتا ہے، مربوبات کی وہاں گنجائش نہیں، جو واقعی سب سے بڑا تھا۔ اُس نے بھی پا لیا کہ وہی سب سے بڑا ہے۔ اللہ اکبر! جرأت اور

کیسی جرأت!

دیوانے امتحان سے ثابت ہوتا ہے۔ علم حال سے پختہ ہوتا ہے، امتحان لیا گیا، عمل کے لیے حکم ہوا، جنگلوں کے کچھاروں میں نہیں، پہاڑ کے غاروں میں نہیں، بلکہ اُسی دکھ اور سکھ کے آمیزہ میں، اسی چرکدہ دنیا میں۔ حکم ہوا کہ سلطنت سے ٹکر کھاؤ، اُس نے کھائی۔ حکم ہوا آگ میں پھاند جاؤ، پھاند گیا۔ گھر چھوڑ دو، چھوڑ دیا۔ باپ سے قطع تعلق کرو، استعفا کر لیا۔ قحط و گرانی کی مصیبت جھیلو، جھیل لی۔ دوسروں کے دروازوں پر جاؤ، روانہ ہو گیا۔ جو سب سے بڑی قوت سے وابستہ ہو گیا تھا، امتحان کے میدانوں میں اس سے یہ بھی کہا گیا کہ اپنی آبرو دے یا تو اُٹھا، اُسکی بیوی بھی چھین لی گئی، وہ دم بخود ہو کر راضی برضا ہو گیا۔ یہ سب کچھ ہوا اور اسی کے ساتھ یہ بھی تھا کہ سورج اور چاند والے، ستاروں اور بیل والے پھلتے تھے، پھولتے تھے، اور اُسکے سامنے۔ سب کچھ ہو رہا تھا، لیکن مخلوق والا نہیں، بلکہ خالق والا بیچ سکے تھا، اُس سے کوئی امید نہ تھی، امتحان اور کڑا امتحان۔ دس نہیں بیس نہیں اکٹھے ۵۰ سال کا لمبا امتحان، سب کی آنکھوں کے لیے وہ ختم تھی، لیکن جسکا دل روشن تھا، جسکی آنکھ اس سے محروم تھی، مگر بڑھاپے کے ان سخت دنوں میں جو ہم پر سخت ہیں، لیکن اُس پر بہت آسان تھے۔ وہی جوانی کا نعرہ اُس کی زبان پر جاری تھا۔ ہر راہ اور ہر وادی میں وہ ان تمام باتوں کے بعد بھی یہی چلاتا پھرتا تھا۔

ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین — میری پکار (میری پوجا) میری قربانیاں (اور نسکیں) بلکہ میری زندگی اور میری موت (کسی مخلوق کے لیے نہیں) اللہ کے لیے ہے جو سارے جگت کا پالنہار ہے اُس کا کوئی ساجھی نہیں مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں اپنا سب کچھ خدا کے سپرد کرتا ہوں، اور اُس کے آگے جھک جاتا ہوں۔

اس نے سب کچھ واپس کر دینے کا اعلان کیا تھا تو لینے والے نے بھی اس سے جو جو کا حساب کر کے لیا۔ وہ قدرتی طور پر امین تھا، خیانت کی تاریکی اسکی روشن فطرت میں رہ نہیں سکتی تھی۔

جس وقت وہ آگ میں کود رہا تھا، سچ ہے کہ "ان تؤدوا الامانات الی اہلہا" (جسکی امانت ہو اسکو ادا کرو) کی پوری تعمیل کر چکا تھا لیکن جتنا اپنے کو دینا آسان ہے، اپنی تمناؤں کا دینا اتنا آسان نہیں، خودکشی اتنی مشکل تو نہیں جتنا خودکشی کے اسباب و وجوہ کا برداشت کرنا۔ بال بچوں کی پرورش کے لیے سپاہی اپنی گردن کٹاتا ہے، لیکن بچوں کی گردنوں کو کٹوانا اُسکے بس میں نہیں۔ ابراہیم خلیل (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) سے سب کچھ مانگا گیا تو انھوں نے سب کچھ دیدیا، اپنے کو دیدیا، اپنے وطن اور وطن کو دیدیا، حتی کہ آخری شے جسکے لیے جان و مال ہے، یعنی آبرو و ناموس، وہ بھی دیدی۔ اب انکے پاس کیا تھا؟ ہاں ایک مطالبہ اور سخت مطالبہ، خلیل نے جگر دیدیا تھا لیکن لخت جگر دینے کا موقع انکو کہاں ملا۔ اپنی آنکھیں انھوں نے آگ میں جھونک دی تھیں، لیکن جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اُس سے وہ کب دست بردار ہوئے تھے؟ آدمی خود تو مر سکتا ہے لیکن بچوں کا گلا کس طرح گھونٹے؟

بالآخر وہ وقت بھی آ گیا - ۸۶ سال کے بوڑھے کے گھر میں جو مصری شہزادی تھی اُس کے کان میں فرشتے نے آ کر کہا

"تو حاملہ ہے، اور ایک بیٹا جنے گی، اُس کا نام اسمٰعیل رکھنا۔"

(پیدائش - باب ۱۶ ورس ۱۱)

اور انبیاء کی ولادت کی یوں ہی بشارت دی جاتی ہے - قرآن نے بھی "و بشرناہ بغلام حلیم" سے اس مژدہ کی تصدیق کی ہے۔ یہ تو صرف موجودہ مسلمانوں کی ذہنیت ہے کہ اپنے پیغمبر، بلکہ دنیا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے واقعات کو مثل "مولود جمشیدی" کی روایت سمجھ کر اپنے کو دشمن خیالوں کی جماعت میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔

خیر، تو جملہ معترضہ تھا، مقصد یہ ہے کہ بچے کی بشارت دی گئی اور بڑے زور شور کے ساتھ دی گئی کہ وہی فرشتہ مصری شہزادی سے خدا کا ایلچی بن کر بولا

"میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے گی۔"

(توریت - باب ۱۶ - ورس ۱۰)

الغرض بشارت ہوئی کہ لڑکی نہیں لڑکا ہوگا، اور بڑی برکت والا ہوگا۔ دوسری جگہ اسی توریت میں اس برکت کی تفسیر ان لفظوں میں کی گئی ہے:

"قومیں تجھ سے پیدا ہوں گی، اور بادشاہ تجھ سے نکلیں گے۔"

(پیدائش - باب ۱۷ آیت ۶)

اور فقط یہی نہیں، جتنا لکھا ہوں کو اسی بشارت کی روشنی میں یہ بھی نظر آیا کہ اسی بچے سے وہ بھی ظاہر ہوگا جسکے لیے یہ سبق ظاہر ہوئی ہے۔ نہ خود وہ ہیں اس بشارت کا جو فقرہ ہے اُسکا کیا مطلب ہے

"خداوند نے تیرا دُکھ سن لیا، وہ عربی ہوگا، اُسکا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا ہاتھ اُسکے خلاف" (پیدائش باب مذکور)

آج عرب میں کس کو دبایا جا رہا ہے؟ کردستان میں کس کے لیے تختے بنائے جاتے ہیں؟ مغرب میں توپ و تفنگ کی گھنگھور گھٹائیں کس کے لیے پھیلائی جاتی ہیں؟ اٹلی سے پیغام جنگ کس کو بھیجا جا رہا ہے - شکنجہ کا نشانہ کون ہیں؟ شدھی کی دھمکی کس کو دی جاتی ہے؟ جانوروں کی گردن بچانے کے لیے انسانوں کی کس جماعت کی گردنیں کاٹی جاتی ہیں؟ "اسکا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا ہاتھ اُسکے خلاف" کا کیسا سچا اور کیسا دلچسپ تماشا ہے - تیرہ سو برس کے طویل عرصہ میں کیا اس تماشہ کی کبھی تکمیل ہوئی ہے؟ اور اسکو بھی جانے دو - ابراہیم سے ابراہیم کا مطالبہ نہیں تھا، بلکہ انکی آرزو مانگی جاتی تھی - اور کون نہیں جانتا کہ "خندۂ صبح تمنا ہے ابراہیم" کون تھا؟ صلی اللہ علیہ وسلم "ربنا وابعث فیہم رسولاً منہم" کس کی دعا ہے - بہرحال بچہ پیدا ہوا اور اپنے وجود میں اُس وجود اقدس کو لیکر دنیا میں آیا جسکے لیے ساری دنیا آئی اور جو ابراہیم ہی کا نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ ابراہیم کے خدا کا بھی مقصد محبوب تھا۔

بزرگ اور بوڑھے خلیل کا دل مطمئن تھا کہ یہ نونہال پھلے گا پھولیگا، بشارت مل چکی تھی، خدا کے وعدے پر خلیل نہ سمجھے تو کون سمجھتا - لیکن شرف انسانیت کی نہیں بلکہ ایمان کی آزمائش کا بھی کتنا سخت وقت تھا کہ ننانوے سال جسکے آستانہ پر پڑے رہے، پوری صدی جسکا مالا جپتے رہے اور جسکے قدموں پر تن من سب کچھ نثار کیے بیٹھے تھے اسی کی طرف سے یکایک آواز آتی ہے -

"تو لے ابراہیم! وہ بولا دیکھ میں حاضر ہوں، تب اُسنے کہا کہ تو اپنے بیٹے اسمٰعیل اکلوتے بیٹے کو جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے اور زمین موریا میں جا اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے لیے چڑھا۔" (پیدائش باب ۲۲)

برکت کا وعدہ اور سوختنی قربانی کا حکم دل ہی نہیں عقل و ایمان ہلا دینے والی باتیں ہیں، "وظنوا انہم قد کذبوا" انبیاء بھی اس کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ہم جھٹلائے گئے، لیکن خدائے غیر مسئول سے کون سوال کرے؟ احتجاج بھی کر سکتے ہیں، لیکن اور وہ حلیم ابراہیم، اس سے اسکی کیا توقع ہو سکتی تھی۔ حکومت کی راہ میں مانا کہ سوال و جواب بھی ہو، لیکن عشق و محبت کی وادی میں تسلیم و رضا، خاموشی اور خوشی کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ ابراہیم کو سوال کا حق بھی تو نہ تھا، جو اپنی زندگی اور موت، بلکہ اپنی ہر چیز کو خدا کے سپرد کر دینے کا اعلان کر چکا تھا، اور جو اپنے کو "مُسلِم" (سب کچھ سپرد کر دینے والا) کہتا تھا، اُسکو دم مارنے کا موقع کہاں تھا۔ خلیل تو اپنا معاہدہ تو پورا کر، خدا اپنا وعدہ پورا کریگا یا نہیں، اس سے تجھ کو کیا بحث؟ آخر یہی ہوا - بوڑھا باپ اُٹھا اور اکلوتے کے سامنے آیا۔

اُسکے سامنے آیا جسکی پیشانی سے اسکی دعا چمک رہی تھی، اور کہا کہ بیٹا،

"بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں اب بتا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟"

اکلوتے نے جواب دیا:

"ابا جان! جسکا آپ کو حکم دیا گیا ہے کر گذریے - آپ مجھے انشاء اللہ تعالیٰ صابر پائیں گے۔"

۹۹ سال کا پیر بزرگ ابا جان، شباب میں قدم رکھنے والے سیزدہ سالہ اکلوتے کو اپنے ساتھ لیتا ہے - اُسکے ہاتھ میں چھری ہے - کہا جاتا ہے کہ خلیل نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی - ہائے! کر دل پر کیا گذرا تھا؟ اسکو کون سمجھ سکتا ہے - پہاڑ کے دامن میں آئے - اُسکے ... بعد کیا ہوا - قرآن نے اعلان کیا کہ "فلما اسلما" جب وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ مسلمان کیا ہوئے، انسانیت کے افق سے "اسلام" "تفویض کلی" "رد امانت" کی ایک تابناک بجلی عالم کون میں کوند گئی۔ بوڑھے باپ نے اکلوتے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا، اور اُس کی گردن پر چھری چلا دی جسکے ذبح ہو جانے سے کائنات ذبح ہو جاتی۔ پھر جیسا کہ ابراہیم کے ساتھ برتاؤ دستور تھا کہ ابراہیم امانت کو کر واپس کرتے تھے اور دینے والا انعام و جزاء کی شکل میں کہیں زیادہ کرکے پھر ابراہیم ہی کی طرف لوٹا دیتا تھا۔ آگ گلزار بنائی گئی، عراق چھوڑا تو شام کی زمین کی نعمت ان کی آغوش کے گہوارے کی بوڑھی بیوی کے ساتھ مصر کی جوان شہزادی عطا ہوئی۔ آج بھی وہی ہوا کہ آواز آئی

"ونادیناہ ان یا ابراہیم قد صدقت الرؤیا انا کذلک نجزی المحسنین" ابراہیم تو نے اپنے خواب کو پورا کر دیا، ہم مخلصوں اور نکوکاروں کو یہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

وہ بدلہ کیا تھا؟ "انی جاعلک للناس اماما" (تمہیں اے ابراہیم! بنی آدم کی امامت دی) اسی کی پشت سے اس آنے والے بچے کے طلوع سے دنیا کا سب سے بڑا سوداگر قوموں کا امام بنا، کا مرکز قیام و مارستان کیا تھا "لا الہ الا اللہ" کا "بشیراً و نذیراً" کا پروانہ لیکر اسی پہاڑ کے دامن سے جہاں ابراہیم نے اپنا آخری امتحان پورا کیا تھا، طلوع ہوا - بڑھا چڑھا

۱؎ توریت سے ثابت ہے کہ اسمٰعیل بڑے بیٹے ہیں پھر اکلوتے کے ساتھ یہودیوں کا اسحٰق کے لفظ کا الحاق کس قدر عجیب ہے۔

جنۃ البقیع کا انہدام

جنۃ البقیع کے واقعۂ انہدام نے امت اسلامیہ میں ایک نیا فتنہ برپا کر دیا۔ سلطان عبد العزیز ابن سعود کی نسبت جو کچھ بھی رائے ہو، دنیائے اسلام میں ایک جدید نجدی اور وہابیہ فتنہ کی بنیاد پڑنا یقیناً ہر سچے مسلمان کے لیے رنج و تاسف کی بات ہے۔ معاصر الجمعیۃ (دہلی) نے اس موضوع پر جو کچھ اظہار خیال کیا ہے، وہ خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلماء کے مسلک کی نہایت صحیح و دلنشین ترجمانی ہے اور اس سے زیادہ کوئی معقول معتدل دوسرا مسلک اس وقت مسلمانوں کے پیش نظر نہیں آتا۔ ذیل میں الجمعیۃ کا مضمون مذکور تمام و کمال نقل کیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر سچ۔

جنۃ البقیع اور مزار سیدنا حمزہؓ کے انہدام کے متعلق جو خبریں وصول ہوئی ہیں، وہ یقیناً سخت افسوسناک ہیں۔ پہلے مکہ معظمہ میں جن مزارات اور اسلامی یادگاروں کو منہدم کیا گیا تھا اُنکے متعلق سلطان ابن سعود نے ہمارے وفود کو یقین دلایا تھا کہ یہ تمام واقعات اُنکے حجاز میں آنے سے پہلے پیش آئے تھے اور اب اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آئے گا۔ حضرت مولانا محمد عرفان صاحب کے پاس ہم نے خود ان تمام گفتگوؤں کی لفظ بلفظ رپورٹ دیکھی ہے جو گزشتہ حج کے موقع پر وفد ہندی اور سلطان کے وکیل مختار حافظ وہبہ کے درمیان ہوئی تھیں۔ اور ان میں ایک جگہ نہیں، بلکہ متعدد مقامات پر یہ صریح وعدہ موجود ہے کہ سلطان قبور و قبب کا مسئلہ عالم اسلامی کے ہاتھ میں چھوڑتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے اس ایجیٹیشن کی سختی کے ساتھ مخالفت کی تھی جو سلطان کے خلاف ہندوستان میں برپا کیا گیا تھا۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ تکمیل فتح حجاز کے بعد سلطان نے اپنے اسلامی اخلاق کا کوئی بہتر نمونہ پیش نہیں کیا اور متعدد اعمال ایسے کیے جن کی بناء پر یہ شک یقین کی حد تک پہنچتا جا رہا ہے کہ وہ حجاز میں عالم اسلامی کی رائے سے بالکل بے پروا ہو کر اپنے مخصوص ارادوں اور مخصوص عقاید کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں۔ ایسی حالت میں صرف ایک جنۃ البقیع اور ایک مزار سید الشہداء کا رونا نہیں رہتا بلکہ یہ مستقل سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہر متغلب فرقہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسلام کے مشترک قبلہ میں بیٹھ کر اپنے اُن عقائد کو جبراً نافذ و عمل کرے جن کو وہ اپنے نقطۂ نظر سے عین کتاب و سنت سمجھتا ہو؟ اگر فرض کیجیے کہ کل وہابیوں کو نکال کر اہل تشیع حجاز پر قابض ہو جائیں، تو کیا ہمیں انکے بھی اس حق کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ وہ قبلہ اول سے شیخین کی قبروں کو کھود پھینکیں؟ اگر فرض کیجیے کہ کل حجاز پر خوارج کا تسلط ہو جائے، تو کیا ہمیں اُنکے بھی اس حق کے سامنے سر جھکانا پڑیگا کہ وہ اہلبیت اطہار کے ساتھ اپنی دشمنی کو دل کھول کر پورا کر لیں؟ اور اپنے نزدیک اسلام کو جو کچھ سمجھتے ہیں اُسے جبراً دوسروں پر بھی مسلط کر دیں؟ یہ ایسا سوال ہے جو کسی حال میں بھی نہایت نازک صورت اختیار کر سکتا ہے۔ اور ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر یہ سوال اپنی پوری نزاکت کے ساتھ سامنے آگیا تو یہ اسلامی اتحاد کی اینٹ سے اینٹ بجا دیگا۔

بعض کج فہم لوگ ہمارے اس تخیل کا مضحکہ اُڑاتے ہیں کہ ہم حجاز میں ایک متحدہ اسلامی جمہوریت کے قیام کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ ہم خیالوں کی اس بلند پروازی کو "نو کارزمیں" یا انکو "ساختنی" کا مضحکہ کر کے اپنے نزدیک بہت بڑی سیاست دانی و معاملہ فہمی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مگر ہم صاف کہتے ہیں ..... کہ ہمیں ابتداء سے اسی فتنہ کا خوف لگا ہوا تھا اور اسی کے سدباب کے لیے ہم حجاز میں ایک ایسا نظام حکومت قائم کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے کہ جس میں تمام دنیا کے مسلمانوں کی نیابت شامل ہو اور مسلمانوں کے باہمی مشورہ سے انکے مشترکہ "قومی وطن" کا انتظام اس طریقہ پر کیا جائے کہ کسی قسم کے افراط و تفریط یا عقائد کا تصادم ممکن نہ ہو۔ ارض مقدس میں اجرائے احکام شریعت کا جو نظام ہمارے پیش نظر ہے وہ اس نظریہ سے بالکل مختلف ہے کہ ایک خاص جماعت اپنے نزدیک کتاب و سنت کو جو کچھ سمجھتی ہو اسے طاقت کے حق کی بناء پر جاری کر دے۔ ہمارا مطمح نظر یہ ہے کہ شریعت کے جن مسائل میں تمام مسلمان متفق ہیں یا ہو سکتے ہیں انکو تو بالعموم نافذ کیا جائے، اور جن امور میں اختلافات ہے اُن میں تمام فرقوں کو آزادی دی جائے اس شرط کے ساتھ کہ انکی آزادی عمل دوسروں کے عقائد سے متصادم نہ ہونے پائے۔

یہی نصب العین ہے جسکے لیے جمعیۃ العلماء اور جمعیۃ خلافت متحدہ سعی و جہد کر رہی ہے۔ اگر عقل سے کام لیا جائے تو کسی مسلمان کو بھی اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔ مگر تنگ نظری کا برا ہو کہ پہلے اس پاک اور مقصد کی راہ میں وہ لوگ حائل تھے جو "نجدی" کافروں سے دشمنی رکھنا عین اسلام سمجھتے ہیں، اور اب اسکے خلاف وہ لوگ اپنا زور صرف کر رہے ہیں جو نجدی "فرشتوں" کو تمام غلطیوں اور بشری خطاؤں سے مبرا سمجھتے ہیں۔

مگر حجاز کے ان حالات پر اظہار افسوس کرنے کے ساتھ ہی ہم مسلمانان ہند کو یہ بتانا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ دامن صبر و تحمل ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ جمعیۃ العلماء اور جمعیۃ خلافت کے وفود اس وقت حجاز میں موجود ہیں۔ انکے علاوہ جاوا، روس، یمن، ترکی وغیرہ ممالک کے وفود بھی موتمر اسلامی میں شریک ہیں جنکے خیالات حجاز کی آئندہ تنظیم کے متعلق تقریباً وہی ہیں جو مسلمانان ہند کے ہیں۔ یہ سب لوگ جو تمام عالم اسلامی سے محض مسئلۂ حجاز کو حل کرنے کیلیے اکٹھے ہوئے ہیں، یقیناً مسلمانوں کے جذبات کی صحیح ترجمانی کریں گے اور جیسا کہ اس سے پہلے موتمر کی اطلاعات سے معلوم ہو چکا ہے، [illegible] ترجمانی کا حق پہلے ہی ادا کر دیا ہے۔ ایسی حالت میں سلطان ابن سعود کے ان اعمال پر جو بظاہر نیت کے فتور پر نہیں بلکہ درایت کی غلطی پر مبنی معلوم ہیں بیصبرانہ لعن طعن کرنا اس فضا کے سکون کو بڑی حد تک درہم برہم کر دیگا، جو موتمر اسلامی کی کامیابی کے لیے ضروری ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ جب تک موتمر کے مباحث کا کوئی نتیجہ برآمد ہو پوری خاموشی کے ساتھ اس کا انتظار کریں۔ پھر اگر نتیجہ ہمارے حسب دلخواہ ہوا تو ہمیں اپنی کسی پچھلی رائے پر پچھتانا نہ پڑیگا۔ اور اگر خدا نخواستہ کوئی مایوس کن صورت پیش آئی تو فرقہ وارانہ منتشر طریقے سے کام کرنے کے بجائے تمام مسلمانان ہند متحد ہو کر ایسی راہ عمل اختیار کر سکیں گے جس سے حالات حجاز کی اصلاح میں کامیابی ہو سکے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتب خانۂ اسلامیہ

سرسید مرحوم
- خطبات احمدیہ
- مکمل مجموعہ لکچر
- جواب امہات المؤمنین

نواب محسن الملک مرحوم
- اسلام
- مجموعہ لکچر
- مسلمانوں کی ترقی و تنزل کے اسباب

مولوی چراغ علی مرحوم
- اسلام کی دنیوی برکتیں
- حضرت سلیمان
- حضرت ہاجرہ

خلیفہ محمد حسین مرحوم

مولانا حالی مرحوم
- مسدس حالی
- حیات سعدی
- حیات جاوید
- مجموعہ نظم حالی

مولانا شہری مرحوم
- نور جہاں بیگم
- ٹیپو سلطان
- سید علی بلگرامی

مولانا نذیر احمد مرحوم
- حمائل شریف مترجم
- ادعیۃ القرآن
- الحقوق و الفرائض
- موعظۂ حسنہ
- مجموعہ لکچر

مولوی ذکاء اللہ مرحوم
- تاریخ ہندوستان

مولانا شبلی مرحوم
- سیرۃ النبی جلد اول
- جلد دوم
- الفاروق
- سیرۃ النعمان
- المامون
- الغزالی
- سوانح مولانا روم
- موازنۂ انیس و دبیر

مولانا شرر لکھنوی
- ابوالحسنین
- جنید بغدادی
- بہشت بریں

قاضی سلیمان منصورپوری
- رحمۃ للعالمین
- سفرنامہ حجاز

مولانا اشرف علی تھانوی
- تفسیر بیان القرآن
- نشر الطیب
- تعلیم الدین
- اصلاح الرسوم
- بہشتی زیور
- بہشتی گوہر
- جزاء الاعمال

مولوی احمد حسین الہ آبادی

مولانا ابوالکلام آزاد
- تفسیر

مولوی محمد علی

مولوی محمد عبداللہ عمادی

مولانا عبدالسلام ندوی

مولوی عبدالحق

خواجہ حسن نظامی

مولانا عبدالماجد دریابادی

حکیم فرزند علی

نیاز فتحپوری

[illegible]